"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

हफ्त روزہ दावत
دعوت
نئی دہلی
DAWAT, NEW DELHI
www.dawatweekly.com

کورونا سے بھی تیز فرقہ پرستی کا وائرس!

حکومت کے لیے مرکز نظام الدین ناقص حکمرانی کو چھپانے کی ڈھال بن گیا

مذہبی منافرت سے صحت عامہ اور تعلیم و روزگار کے مسائل مزید گھرے ہوں گے



ابھے کمار، دلی

آفت کے وقت اتحاد کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے مگر ملک کی بد قسمتی دیکھیے کہ بحران کے ان لمحات میں بھی بھگوا طاقتیں عوام کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنے میں لگی ہوئی ہیں اور فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے سے باز نہیں آ رہی ہیں۔ نتیجتاً ملک کو درپیش مصیبت کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ دنیا بھر میں ملک کی بدنامی ہو رہی ہے کہ بھارت کے لوگ وبا کو بھی فرقہ وارانہ زاویہ سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ شر پسندی کسی نا سمجھی، سادہ لوحی یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو افہام و تفہیم سے اس کو دور کیا جا سکتا تھا۔ درحقیقت یہ تخریب کاری ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے۔ بھگوا فرقہ پرست عناصر نے ہر وقت یہ 'ماسٹر اسٹروک' کھیلا ہے کہ جب ان کی کمیاں اور خامیاں منکشف ہونے لگیں اور عوام ان سے جواب طلب کرنے لگے تو انہوں نے پورے معاملے کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔ اس طرح بحث کو غلط سمت میں موڑ دیا۔ یہ حکمت عملی انہوں نے حالیہ دہلی فسادات کے دوران بھی اپنائی تھی۔ جب ان کو یہ احساس ہونے لگا کہ پولیس اور انتظامیہ کھلے

> **اس خبر کو شائع کر کے صحافتی ضابطوں کو بڑا نقصان پہنچایا گیا ہے۔ خبر لکھتے وقت صحافی کو پولیس کے موقف کو پولیس کے حوالے سے لکھنا چاہیے تھا اور ساتھ ہی ملزم کے موقف کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ صحافیوں کو اس سے کچھ مطلب نہیں کہ تبلیغی جماعت کا موقف کیا ہے۔**

طور پر فرقہ پرستوں کی پشت پناہی کر رہی ہے اور اس کی وجہ سے حکومت سے سوال پوچھا جا رہا ہے تو برسر اقتدار بھگوا جماعت نے اسے فرقہ وارانہ رنگ دے دیا اور اچانک ایک مسلمان کا چہرہ سامنے کر دیا اور کہا جانے لگا کہ اس نے اپنے گھر میں پٹرول بم سمیت ہتھیار جمع کر رکھا تھا اور حالات کو بگاڑنے میں اس کا اہم رول ہے پھر بحث اچانک سے بدل گئی اور دہلی فسادات کی زد میں آنے والے مسلمانوں کو ہی الٹا قصوروار قرار دے دیا گیا۔ کچھ ایسا ہی شاہین باغ تحریک کو دبانے کے لیے کیا گیا اور جے این یو کے ایک ذہین مسلم طالب علم شرجیل امام کو اس کا 'ماسٹر مائنڈ' کہا گیا اور یہ افواہ پھیلائی گئی کہ وہ بھارت کی سالمیت کے لیے خطرہ ہے۔ میڈیا نے پولیس اور حکومت کے اس موقف کو قبول کرنے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ ایک طالب علم کس طرح بھارت جیسے ایک مضبوط اسٹیٹ کے لیے خطرہ بن سکتا ہے؟

"کورونا پر قابو پا لیا گیا تھا مگر حالات تبلیغی جماعت کی وجہ سے بگڑ گئے ہیں"۔ مذکورہ ریمارک جے این یو ہاسٹل میس میں کام کرنے والے ایک ملازم نے کیا۔ ان سے میری ملاقات منگل کی شام کو دہلی میں ہوئی تھی جب وہ ضروری اشیا کی خریداری کے لئے باہر نکلے تھے۔ یہ ملازم بہار کے بکسر ضلع سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ایک سیدھے سادے انسان ہیں، مگر ان کے دل میں بھی تبلیغی جماعت کے خلاف تعصب بھر دیا گیا۔ یہ بات پھیلا دی گئی ہے کہ کورونا وبا کو مسلمانوں نے اپنی لاپروائی اور مذہبی توہم پرستی کی وجہ سے پھیلا دیا ہے اور وہ ملک کی سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ دیگر مقامات پر بھی اسی طرح کے بیانیے سننے کو مل رہے ہیں۔ اسی دوران آندھرا پردیش میں مزدوری کرنے والے بہار کے میرے ایک دوست نے فون کر کے مجھ سے میری خیریت پوچھی اور اس نے بھی کہا کہ مسلمان ہی بیماری کو پھیلا رہے ہیں!

کمیونل کارڈ کا اثر دیکھیے کہ کل تک رائے عامہ میں یہ بحث چل رہی تھی کہ غریب اور مزدور لاک ڈاؤن کے دوران کیا کھائیں گے اور کیوں ہماری حکومتوں نے صحت عامہ پر توجہ نہیں دی۔ تشویش حکومت کی ناکامی پر ہو رہی تھی اور اس سلسلے میں عوام کو درپیش پریشانیوں پر ماہرین کی رائے لی جا رہی تھی اور یہ سوال اٹھایا جا رہا تھا کہ حکومت نے بغیر کسی تیاری کے ملک گیر لاک ڈاؤن کا کس طرح اعلان کر دیا ہے۔ رپورٹیں آ رہی تھیں کہ کس طرح مزدور اور غریب لوگ کورونا اور فاقہ کشی سے لڑ رہے ہیں۔ ویڈیوز وائرل ہو رہے تھے کہ رہنے اور کھانے کی دقت کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں تارکین وطن مزدور پیدل ہی اپنے گھر کو نکل پڑے ہیں جس کی وجہ سے دہلی کے آنند وہار اسٹیشن پر بڑی بھیڑ جمع ہو گئی ہے جو لاک ڈاؤن کے مقصد کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ اس دوران یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ حکومت کے پاس مزدوروں اور غریبوں کو دینے کے لیے صرف جملے بازی کے سوا کچھ نہیں۔ اور جہاں تک



حکومت کی اصل پالیسی کا سوال ہے تو یہ صرف سرمایہ داروں اور امیروں کے مفاد میں بنائی جاتی رہی ہے۔ پولیس کی زیادتی کی بھی خبریں آ رہی تھی اور پوری دنیا یہ جان کر حیران تھی کہ بھارت کی پولیس غریب عوام کی مدد کے بجائے ان پر ڈنڈے کیوں برسا رہی ہے اور بعض اوقات گولی بھی چلا رہی ہے۔ مجموعی طور پر مزدور کے متعلق سوالات سامنے آ رہے تھے اور روزی روٹی کا مسئلہ بحث کا حصہ بن رہا تھا۔

ان سب سے سرکار گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کی امیج پر بھی سوال اٹھ رہے تھے۔ عوام کا غصہ بھی حکومت کے خلاف بڑھ رہا تھا۔ طبقاتی شعور کی سطح بھی بڑھ رہی تھی۔ مودی سرکار کے بڑے بڑے منتری اور سنتری سب منظر سے غائب ہو گئے تھے۔ خود وزیر اعظم نریندر مودی کو جنتا سے معافی مانگنی پڑی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب حکومت کچھ نہ کچھ مثبت قدم ضرور اٹھائے گی۔ سالوں سے بے توجہی کے شکار صحت عامہ، روزگار اور دیگر فلاحی کاموں پر حکومت سنجیدگی سے توجہ مرکوز کرے گی ورنہ برقرار نہیں رہ پاتی۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ایک بار پھر کمیونل کارڈ کھیل کر مزدوروں اور غریبوں کے سوال کو درکنار کر دیا گیا اور صحت عامہ کی پالیسی پر توجہ دینے سے کنارہ کشی اختیار کر لی گئی۔ برسر اقتدار جماعت نے ایک بار پھر مسلمان کو بلی کا بکرا بنایا۔ اس بار انہوں نے کورونا وائرس کو تبلیغی جماعت سے جوڑ دیا اور تبلیغی جماعت اور عام مسلمان کی شبیہ ایک بار پھر مسخ کرنے کی کوشش کی۔

پل بھر میں ڈبیٹ بدل گیا۔ ۳۰ مارچ کے بعد مین سٹریم میڈیا سے یہ خبر آندھی کی رفتار سے عوام میں پھیلنے لگی کہ پولیس نے تبلیغی جماعت کے دہلی آفس پر دھاوا مارا ہے، جہاں کورونا کے سیکڑوں مشتبہ مریض پائے گئے ہیں۔ سوشل میڈیا پر منظر اور بھی خوفناک تھا۔ مسلمانوں کو گالیاں دی جانے لگیں۔ فرقہ پرست عناصر مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے اور اس بحران کے لیے مسلمان کو 'ولن' بنا دیا گیا۔ پھر ڈبیٹ کا موضوع مسلمان اور اسلام سے درپیش 'خطرات' ہو گیا۔ مسلمان 'غافل' ہیں۔ وہ 'دقیانوس' ہیں۔ وہ 'شدت پسند' ہیں۔ وہ 'جہادی' ہیں۔ وہ 'ملک مخالف' ہیں۔ وہ 'دہشت گرد' ہیں۔ اس طرح کا پروپیگنڈا شروع ہو گیا، جو اب تک رُکا نہیں ہے۔ کہا گیا کہ اگر مسلمان وقت پر احتیاط کیے ہوتے تو صورت حال نہیں بگڑتی۔ کچھ نام نہاد سیکولر اور روشن خیال لوگوں نے بھی مسلم دشمنی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مشہور بنگلہ دیشی مصنفہ تسلیمہ نسرین کا ۳۱ مارچ کو ایک ٹویٹ آیا جس میں انہوں نے کہ "تبلیغی جماعت کے بالواسطہ تعلقات دہشت گردوں سے ہیں!"۔ ٹی وی کے نیوز روم سے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی شروع ہو گئی۔ دھاوے کے کچھ ہی گھنٹوں میں تبلیغی جماعت اور مسلمان کے خلاف 'میسج' پہنچا دیا گیا۔ فرقہ پرستی کا وائرس ملک میں کورونا سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ مگر مطالعے کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ کورونا وائرس کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی تیاری پہلے سے چل رہی تھی کیونکہ آر ایس ایس کے لٹریچر میں پہلے ہی مسلمانوں کو ٹارگیٹ کیا گیا تھا اور اس بیانیہ کو پر دینے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ مسلمان کورونا کے وائرس کو پھیلا رہے ہیں۔ مَیں اس وقت آر ایس ایس کے ہفت روزہ ہندی میگزین 'پنچ جنیہ' میں شائع شدہ ایک مضمون کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ ۲۹ مارچ کے شمارے میں یہ مضمون چھپا ہے۔ اس کا عنوان ہے 'کرونا کے مذہبی کاروبار'۔ اس میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ "ہندوستانی سرکار کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکنے کے لیے تمام کوششیں کر رہی ہے، مگر اسلام کا حوالہ دے کر مسلمان نہ تو احتیاط ہی کر رہے ہیں اور نہ ٹیسٹ کرا رہے ہیں۔ مولوی اور پادری اپنی توہم پرستی کا دھندہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں"۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس مضمون میں عیسائی پادری کو بھی چپیٹ میں لیا گیا ہے، مگر مضمون میں اصل نشانہ مسلمان ہی ہیں۔ مسلمانوں کے حوالے سے اس طرح کے بیانات ماخوذ کیے گیے ہیں جن میں مسلمان یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کسی طرح کی احتیاط نہیں کریں گے کیونکہ ان کا یقین سائنس میں نہیں ہیں۔ "اللہ چاہے گا تب ہی انفیکشن پھیلے گا۔ اس لیے احتیاط کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان ایسا بیان دے سکتا ہے؟ اسلام کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ضرور ہے اللہ کی مرضی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر ان کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان کوشش کرنا بند کر دے یا پھر عقل کا استعمال کرنا بند کر دے۔ عقیدت مند مسلمان یہ بار بار کہتے ہیں کہ کوشش کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ سائنس کے حلقے میں بھی مسلمانوں کی کارکردگی کسی قوم سے کم نہیں رہی ہے۔ مگر پھر بھی اسلام کو جان بوجھ کر مسخ کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے اور یہ مواد پھیلا گیا ہے کہ مسلمان سائنس کے خلاف ہیں۔ اگر تصور بھی کر لیا جائے کہ ایسی باتیں کچھ مسلمانوں نے واقعی کی ہیں تو کیا یہ ناقص رائے پوری مسلم معاشرے کی ترجمانی کرتی ہے؟ اگر ایسی بات تھی بھی تو کوشش یہ ہونی چاہیے تھی کی انتظامیہ خود مسلمانوں کے قائد اور ملی رہنما سے ملتی اور ان سے مداخلت کرنے کو کہتی۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا کیونکہ مسلمان کورونا سے لڑنے کے لیے کسی دوسرے سے پیچھے نہیں تھے۔ بہت پہلے سے ہی بھگوا شدت پسندوں کے دلوں میں کچھ اور ہی پک رہا تھا۔ ان کو مسائل کے حل کرنے میں کم اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔

جب حکومت کو یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ 'بیک فٹ' پر آ گئی ہے، تو اس نے ایک بڑا دھماکا کرنے کی سوچی۔ میڈیا کی موجودگی میں ۳۰ مارچ کے روز تبلیغی جماعت کے دفتر پر ریڈ ڈالا گیا جو ان کے گیم پلان کا حصہ تھا۔ ۳۱ مارچ کے روز انگریزی اخبار 'ہندو' کی خبر کے مطابق، پولیس نے دہلی کی بستی نظام الدین میں واقع تبلیغی جماعت کے مرکزی آفس، جو خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ سے صرف سو میٹر دوری پر ہے، کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی۔ اس آپریشن میں ڈرون کا بھی استعمال کیا گیا۔ بعد میں ۱۵۰ لوگوں کو مرکز کے سے باہر نکالا گیا اور کورونا وائرس کی جانچ کے لیے انہیں مختلف اسپتالوں میں پہنچا دیا گیا۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ تقریباً ۸ ہزار مسلمان تبلیغی جماعت کے اجتماع میں حصہ لینے کے لیے دہلی آفس آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت سارے اپنے ملک و وطن لوٹ گئے، مگر کچھ نہیں جا سکے۔

دھاوے کے فوری بعد دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کجریوال حرکت میں آ گئے جو دہلی میں رونما ہوئے مسلم مخالف فسادات کے دوران خاموش رہے تھے جب سینکڑوں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصانات ہو رہے تھے تب وہ محض ہندو فرقہ پرستوں کے ووٹوں کی خاطر مسلمانوں کی مدد کے لیے آگے نہیں آئے اور اب جب مسلمانوں کے خلاف سازش رچی گئی تو اس کا حصہ بننے کے لیے آگے آ گئے تاکہ ہندو فرقہ پرست ووٹروں میں اپنا اعتماد برقرار رکھا جا سکے۔ انہوں نے تبلیغی جماعت کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دے ڈالا، مگر یہ نہیں سوچا کہ کیا مرکز کی کوئی حرکت پولیس اور انتظا کہ سے پوشیدہ تھی؟

اس طرح تبلیغی جماعت اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرنے کے لیے ڈسکورس تیار کر دیا گیا۔ زیادہ تر اخبارات اور ٹی وی چینلوں نے پھر ایک بار مسلمانوں کو رلایا ہے۔ بے لگام سوشل میڈیا پر مسلمانوں کو جم کر گالیاں دی گئیں۔ فرقہ پرست اور موقع پرست سیاست دانوں نے بھی اس موقع کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کا خوب دل دکھایا اور بھائی چارے کی جو فضا بن رہی تھی اس کو مسموم کرنے کی ناپاک کوشش کی۔

دھاوے کے اگلے دن ہندی کے اخبارات حکومت کی ترجمانی کر رہے تھے۔ لوگوں میں کورونا سے زیادہ تبلیغی جماعت اور مسلمانوں کا خوف پیدا کیا گیا۔ یہ سلسلہ تب سے لے کر ابھی تک تھما نہیں ہے بلکہ جاری ہے۔ ۲ اپریل کے قومی ہندی اخبار 'دینک جاگرن (نیشنل) کو ہی لے لیجیے جس کے صفحہ اول کی خبر کی سرخی کچھ یوں تھی۔ مرکز میں پنپ رہا تھا دیش کی تباہی کا وائرس. نیچے متن میں یہ کہا گیا ہے کہ "تبلیغی مرکز میں قیام پذیر دیش و دیش کے مولاناؤں کو باہر نکالے جانے کے ساتھ ہی حیران کرنے والی معلومات سامنے آ رہی ہے۔ ذرائع کا دعوی ہے کہ مرکز میں ٹھہرے لوگ نہ صرف ملک مخالف سرگرمیوں کو ہوا دے رہے تھے، بلکہ کورونا وائرس کو ہتھیار بنا کر ملک بھر میں تباہی پھیلانے کی منشا رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرکز میں نہ صرف لوگوں کو چھپایا گیا، بلکہ پولیس جب باہر نکالنے کی کوشش کی، تو وہ حملہ آور ہو گئے۔ پولیس کے پہنچے سے پہلے ہی غیر ملکی شہریوں کو دارالحکومت کے کئی علاقوں میں چھپا دیا گیا۔ ٹورسٹ ویزا پر آئے ان لوگوں نے مذہب کی تبلیغ میں شامل ہو کر ویزا قانون کی پامالی کی۔ فی الحال کرائم برانچ نے پروگرام منعقد کرانے والوں کے خلاف کرمنل سازش کرنے کا دفعہ لگا کر کیس درج کر دیا ہے اور جانچ شروع کر دی گئی ہے۔ جلد ہی تفتیش میں این ائی اے بھی تعاون کرے گا"۔

اس خبر کو شائع کر کے صحافتی ضابطوں کو بڑا نقصان پہنچایا گیا ہے۔ خبر لکھتے وقت صحافی کو پولیس کے موقف کو پولیس کے حوالے سے لکھنا چاہیے تھا اور ساتھ ہی ملزم کے موقف کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ صحافیوں کو اس سے کچھ مطلب نہیں کہ تبلیغی جماعت کا موقف کیا ہے۔

اپنے دفاع میں تبلیغی جماعت نے ایک بیان جاری کیا لیکن کچھ اداروں کو چھوڑ کر باقی تمام میڈیا ہاؤسز نے اسے نظر انداز کیا۔ مگر ۳۱ مارچ کو نیوز ویب پورٹل 'جنتا کا رپورٹر' نے تبلیغی جماعت کا پریس ریلیز شایع کیا جس میں جماعت نے اپنے اوپر لگائے گئے لاپروائی کے الزام کی تردید کی۔ تبلیغ کا یہ موقف ہے کہ جو لوگ بھی مرکز کے پروگرام میں حصہ لینے آئے تھے، ان میں سے کچھ اس وجہ سے اپنے ملک واپس نہیں جا پائے کیونکہ حکومت نے لاک ڈاون کو نافذ کر دیا تھا۔ حمل و نقل بند تھا جس کی وجہ سے لوگ مرکز میں رُکے رہ گئے اور وہ مرکز کے دفتر میں خود ہی قرونطینہ میں چلے گئے تھے۔ اس طرح مرکز کی طرف سے لاپروائی کی کوئی بات نہیں تھی۔ مزید کہا گیا کہ تبلیغی جماعت ایک بین الاقوامی تنظیم ہے اور اس کے پروگرام ہر سال منعقد ہوتے ہیں، جس میں پوری دنیا کے لوگ شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میڈیا کے الزام کو خارج کرتے ہوئے کہا گیا کہ تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں نے کورونا وائرس وبا کے پیش نظر انتظامیہ کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ مثال کے طور پر، تبلیغ نے ۲۲ مارچ کے اعلان شدہ 'جنتا کرفیو' کے بعد اپنی ساری سرگرمیاں منسوخ کر دیں۔ ۲۱ مارچ کے بعد ریل سرویسز کے بند ہو جانے کی وجہ سے کچھ لوگ اپنے گھر واپس نہیں جا سکے۔ پھر ۲۳ مارچ کو ملک گیر لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا گیا، جس کے بعد مرکز کے پاس مہمانوں کو واپس بھیجنے کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

مگر چیزوں کو وسیع تناظر میں دیکھنے سمجھنے کا وقت کس کے پاس ہے؟ حالات کو بگاڑنے میں نیوز چینل سب سے آگے رہے ہیں۔ ہندی نیوز چینل نے تو ساری حدیں پار کر دی ہیں۔ مثال کے طور پر اے بی پی نیوز پر 'کورونا کی جنگ میں جماعت کا اگھات (چوٹ)' پروگرام نشر کیا گیا۔ دیگر نیوز چینلز بھی اس سے پیچھے نہیں تھے۔

سلسلہ صفحہ نمبر ۳ پر



مسلمانوں کے خلاف یلغار

مقابلہ حکمت اور فراست کے ساتھ کریں





محمد رضی الاسلام ندوی، دلی

یوں تو ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہم وقفے وقفے سے اٹھتی رہتی ہے، لیکن گزشتہ ایک ہفتے سے اس میں بہت زیادہ تیزی آگئی ہے۔ اِس وقت دہلی کے علاقے بستی نظام الدین میں واقع تبلیغی جماعت کا مرکز نشانے پر ہے۔ تبلیغی جماعت کے وابستگان سے آگے بڑھ کر اب تمام مسلمانوں کو مطعون کیا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ انہی کی وجہ سے ملک میں کورونا وائرس پھیل رہا ہے۔ کورونا کی دہشت نے ملک کے باشندوں کے دلوں میں مسلمانوں سے بغض ونفرت میں اضافہ کر دیا ہے اور تمام طبقات ان پر لعنت وملامت کر رہے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا: "ایک زمانہ آئے گا جب قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" (ابو داؤد:۴۲۹۷) ملک کا موجودہ منظر نامہ یہی تصویر پیش کر رہا ہے۔ کورونا وائرس کا انکشاف چین کے شہر ووہان میں دسمبر ۲۰۱۹ء میں ہوا۔ وہاں سے یہ مختلف ممالک میں پھیلا۔ تمام ممالک کے حکم رانوں نے ابتدا میں لاپروائی برتی اور تساہل سے کام لیا۔ وہ اس وقت جاگے جب اموات سیکڑوں سے تجاوز کر کے ہزاروں میں پہنچ گئیں۔ اس غفلت کا مظاہرہ ہمارے ملک کے حکم رانوں کی جانب سے بھی کیا گیا۔ چنانچہ ۱۳/ مارچ ۲۰۲۰ء تک وہ یہ یقین دہانی کراتے رہے کہ یہاں کسی ہیلتھ ایمرجنسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی دیگر ممالک سے آنے والوں کی اسکریننگ کا کوئی نظم نہیں کیا گیا۔ جب کورونا متاثرین کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا تو اچانک بغیر کسی منصوبہ بندی کے ۲۵/ مارچ سے ملکی سطح پر لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا گیا اور جناب وزیر اعظم نے ہدایت کی کہ تمام لوگ اپنے گھروں میں محصور ہوجائیں۔ جو جہاں ہے وہیں ٹھہرا رہے۔ اس پر عمل کیا گیا۔ چنانچہ مزدوروں کی بڑی تعداد ملک کے مختلف حصوں میں پھنس کر رہ گئی۔ مندروں کے زائرین، سیّاح اور دیگر افراد جہاں تھے، وہیں رکے رہیں۔ اس وقت تبلیغی جماعت کے مرکز میں بھی دو ہزار سے زائد لوگ موجود تھے۔ انہیں دیگر مقامات پر منتقل کرنے کے لیے انتظامیہ اور پولیس سے برابر رابطہ کیا گیا، لیکن کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ اچانک ۳۱/ مارچ کو پولیس فورس کے ذریعے مرکز خالی کرالیا گیا۔ وہاں موجود لوگوں کو مختلف اسپتالوں اور قرنطینہ مراکز میں منتقل کیا گیا۔ اسی وقت سے مرکز نظام الدین کے خلاف بھونچال آیا ہوا ہے۔ محکمہ پولیس، مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت، سب وہاں کے ذمے داروں پر الزامات کی بارش کر رہے ہیں اور وابستگانِ جماعت کو مطعون کر رہے ہیں۔ مختلف ریاستوں میں تبلیغی جماعت کے وابستگان کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی ہے اور ان کے خلاف ایف آئی آر درج کی جا رہی ہے۔ اس معاملے میں میڈیا کی شر انگیزی سب سے بڑھ کر ہے کہ وہ تبلیغی جماعت سے آگے بڑھ کر ملک کے تمام مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔ مختلف چینلوں پر اینکرس انتہائی زہریلی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ کورونا جہاد اور کورونا بم جیسی اصطلاحات انھوں نے ایجاد کرلی ہیں۔ وہ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی حماقت سے پورے ملک میں کورونا وائرس پھیلا دیا ہے۔ وہ ملک کے لیے خطرہ ہیں۔ میڈیا کی اس شر انگیزی کا اثر غیر مسلم عوام پر پڑ رہا ہے اور وہ ان کو الگ تھلگ کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے صبر کا امتحان ہے۔ انہیں پوری پامردی، حکمت اور فراست کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ یہ بات صحیح ہے اور

> کورونا ایک مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ نفرت کے نہیں، بلکہ ہم دردی کے مستحق ہیں۔ یہ الزام تراشی کا موقع نہیں کہ کس نے اس مرض کو پھیلایا؟ اور کون قصور وار ہے؟ بلکہ سب کو مل کر اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جن لوگوں کے بارے میں اندیشہ ہو کہ کسی پروگرام میں شرکت کے نتیجے میں ان میں یہ وائرس پایا جاسکتا ہے انہیں خود آگے بڑھ کر اپنا چیک اپ کروانا چاہیے اور ضرورت ہو تو متعینہ مدت تک قرنطینہ میں رہنا چاہیے۔ اسے چھپانا دینی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے اور ملکی قانون کے اعتبار سے بھی جرم ہے۔

ہمیں کھلے دل کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ تبلیغی بھائیوں سے اس موقع پر کچھ چوک ہوئی ہے۔ جب گزشتہ سال دسمبر ہی سے کورونا وائرس کے پھیلنے کی خبریں آنے لگی تھیں اور رواں سال فروری کے اواخر میں ملیشیا کے تبلیغی اجتماع کے بعض شرکا اس سے متاثر پائے گئے تھے تو انہیں فوراً اپنے یہاں کے تمام پروگرام خود سے کینسل کر دینے چاہیے تھے۔ لیکن اس معاملے میں مرکزی حکومت کے مختلف محکمے، بالخصوص وزارت داخلہ بھی کم قصوروار نہیں ہے کہ اس نے اپنی ذمے داری ادا نہیں کی اور معاملات کو صحیح طریقے سے منظّم نہیں کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ان کی جانب سے کسی طرح کی اشتعال انگیزی کا مظاہرہ نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ سے ہمیں اس معاملے میں بھرپور رہ نمائی ملتی ہے۔ مکی دور میں آپ ﷺ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے، آپ ﷺ کو شاعر، کاہن اور ساحر جیسے القاب سے نوازا گیا، لیکن آپ ﷺ نے پلٹ کر کوئی جواب نہ دیا، بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے مشن میں لگے رہے۔ قرآن مجید میں یہ تو کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں کہی جانے والی یہ تمام باتیں درست نہیں ہیں، لیکن آپ کی طرف سے اور آپ ﷺ کے اصحاب کی طرف سے اس پر کسی سخت ردّ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ مدنی دور میں منافقوں کی سازشیں عروج پر تھیں۔ ایک موقع پر تو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہّرہ امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی الزام تراشی سے نہیں بخشا گیا، مسلمان سخت ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو گئے، لیکن اس موقع پر بھی انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

کورونا ایک مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ نفرت کے نہیں، بلکہ ہم دردی کے مستحق ہیں۔ یہ الزام تراشی کا موقع نہیں کہ کس نے اس مرض کو پھیلایا اور کون قصوروار ہے بلکہ سب کو مل کر اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جن لوگوں کے بارے میں اندیشہ ہو کہ کسی پروگرام میں شرکت کے نتیجے میں ان میں یہ وائرس پایا جاسکتا ہے انہیں خود آگے بڑھ کر اپنا چیک اپ کروانا چاہیے اور ضرورت ہو تو متعینہ مدت تک قرنطینہ میں رہنا چاہیے۔ اسے چھپانا دینی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے اور ملکی قانون کے اعتبار سے بھی جرم ہے۔ کورونا سے تحفّظ کے لیے جس بے تدبیری کے ساتھ لاک ڈاؤن کا اعلان کیا گیا ہے اس سے ہزاروں خاندان بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ جو لوگ مختلف مقامات پر پھنس گئے تھے وہ دانے دانے کو محتاج ہیں۔ جن



اس ملک کو ہینڈ سینیٹائزرس سے زیادہ برین سینیٹائزرس کی ضرورت ہے۔

مزدوری پیشہ لوگوں کے گھروں کا چولہا روزانہ کمانے سے جلتا تھا ان کا ایک ایک دن سخت پریشانی کے عالم میں گزر رہا ہے۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ اس موقع پر اگر مسلمانوں کی دینی جماعتیں اور تنظیمیں بڑے پیمانے پر منظّم انداز میں رفاہی کام کریں، حسب سہولت راشن اور پکا ہوا کھانا بلا تفریق مذہب و ملّت ضرورت مندوں بستیوں میں اور افراد کے درمیان تقسیم کریں تو وہ دینی فریضہ سے بھی سبکدوش ہوں گے اور اس سے بڑھی ہوئی منافرت کو بھی کم کرنے میں مدد ملے گی۔ خدمتِ خلق وہ موئثر ذریعہ ہے جس سے دلوں کو رام کیا جا سکتا ہے اور ان میں محبت وعقیدت پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہ دیکھ کر اطمینان اور مسرّت ہوتی ہے کہ اس معاملے میں مسلمانوں اور خاص طور پر مسلم نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

کورونا وائرس کو قابو میں کرنے کا کارگر طریقہ 'سماجی فاصلہ' (Social distancing) ہے۔ اسی وجہ سے لاک ڈاؤن کا اعلان کیا گیا ہے کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں محدود رہیں اور دوسرے لوگوں سے میل جول نہ رکھیں۔ یہاں تک کہ مذہبی عبادت گاہیں بھی بند کر دی گئی ہیں۔ مسلمانوں نے اس حکومتی فیصلے کو دل پر پتھر رکھ کر قبول کیا ہے۔ مسجدوں سے انہیں غیر معمولی عقیدت ہے۔ ان کے نزدیک روزانہ پانچ مرتبہ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لیے مسجدوں کی حاضری ضروری ہے۔ جمعہ کی نماز اور بھی اہمیت رکھتی ہے، اس لیے اس میں وہ بڑی تعداد میں مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ لاک ڈاؤن کے نتیجے میں جماعت اور جمعہ سے محرومی مسلمانوں پر بہت شاق گزر رہی ہے اور وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ان اوقات کو انہیں اپنے ذاتی تزکیہ، روحانی ارتقا، قربِ الٰہی، توبہ و استغفار اور دعا و مناجات میں زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل مصر میں سخت ترین حالات سے گزر رہے تھے۔ فرعون اور اس کے کارندوں کی جانب سے سخت مظالم کا شکار تھے۔ اجتماعی زندگی میں دین پر چلنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا: "اپنے گھروں کو قبلہ رو کرلو اور نماز قائم کرو۔" (یونس:۸۷) اس ارشاد الٰہی میں ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے رہ نمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق کسی بھی صورت میں کم زور اور مضمحل نہیں ہونا چاہیے۔ کسی وجہ سے اگر مسجدوں میں ان کی حاضری نہ ہو پائے تو ہر گھر کو مسجد بن جانا چاہیے۔ آج کل زندگی اتنی مصروف ہو گئی ہے کہ انسان کو اپنے قریب ترین عزیزوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ بچے بڑوں کی شفقتوں سے محروم رہتے ہیں، جس کی بنا پر صحیح طریقے سے ان کی دینی و اخلاقی تربیت نہیں ہو پاتی۔ لاک ڈاؤن نے اس کا زرّیں موقع فراہم کیا ہے کہ مسلمان اپنے اہل خانہ پر توجہ دیں، ان کی دینی نشوونما کی فکر کریں، ان کی دینی معلومات میں اضافہ کی تدبیر کریں، انھیں کچھ پڑھ کر سنائیں، انہیں قرآن کی سورتیں اور روز مرّہ کام آنے والی دعائیں یاد کرائیں، انہیں سچّا پکّا مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔

ملک کے موجودہ حالات عام انسانوں کے لیے سخت ہیں اور مسلمانوں کے لیے خاص طور پر مزید سخت بنا دیے گئے ہیں۔ ان کا مقابلہ انہیں ہمّت اور حوصلہ کے ساتھ کرنا ہے۔ ایک حدیث میں مومن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: "اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے، چنانچہ اس میں اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔" (مسلم:۲۹۹۹) اہل ایمان کو مایوسی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ (الزمر:۵۳) اس لیے کہ اس کی رحمت سے مایوس ہونے والے گم کردہ راہ ہوتے ہیں۔ (الحجر:۵۶) جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو مایوس ہونے لگتے ہیں۔ (الروم:۳۶) جب کہ اہل ایمان اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے تمام معاملات اس کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر تنگی کے بعد کشادگی ضرور آتی ہے۔ (الانشراح:۵،۶) انہیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ ان شاء اللہ پریشانیوں کے یہ بادل ضرور چھٹیں گے اور راحت ورحمت کی ٹھنڈی ہوائیں چلیں گی۔

(مضمون نگار جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری برائے شعبۂ اسلامی معاشرہ ہیں)

بسلسلہ صفحہ نمبر۲

ذرا آپ ان پروگروں کی سرخیوں پر غور کیجیے: 'دھرم کے نام پر جان لیوا (مہلک) آدھرم (نیوز ۱۸ اینڈیا)، 'نظام الدین کا ولن کون (اے بی پی نیوز)، 'کرونا جہاد سے دیش بچاؤ (سدرشن ٹی وی)۔ ایسے پروگرام نے عام لوگوں کے دماغوں میں مسلمانوں کے خلاف بارود بھرنے کا کام کیا ہے۔ ایک صحافی کس قدر بے حس ہو سکتا ہے اور سرکار کا ترجمان ہو سکتا ہے یہ کوئی ریپبلک ٹی وی کے سربراہ ارنب گوسوامی سے جانے۔ انہوں نے اپنے شو میں زبان سے آگ اگلی اور ایک مسلمان گیسٹ کو اسٹوڈیو میں بلا کر ذلیل کیا! ایک نیوز اینکر نے تو تبلیغی جماعت کو جان بوجھ کر 'طالبانی جماعت کہا۔ یہی نہیں جانے مانے عالم دین مولانا سجاد نعمانی کی بھی کردار کشی کی گئی۔ یہ سارے مواد انٹرنیت پر موجود ہیں۔ ان سب کو آپ دیکھ سکتے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ ملی رہنما اور سیکولر اور جمہوری طاقتوں آگ اگلنے والے صحافیوں سے نپٹنے کے لیے تدبیر تلاش کریں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ملک کی ہم آہنگی، سیکولرازم اور رواداری کو زیادہ دنوں تک محفوظ نہیں رکھا جاسکتا۔

نیوز ایجنسی اے این ائی نے بھی تبلیغی جماعت کے 'دہشت گرد' تنظیم ہونے سے متعلق ایک غیر مستند خبر ۲ اپریل کو شائع کی۔ نیوز ایجنسی کی چالاکی دیکھیے کہ خبر کے آخر میں اس نے ایک نوٹ بھی چلایا ہے، جس میں کہا گیا کہ خبر میں جو خیالات ظاہر کیے گیے ہیں ان سے ایجنسی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

غرض حالات اس قدر خراب ہو رہے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف تشدد کرنے کی وکالت کی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر دہلی اقلیتی کمیشن نے ایک ایسے ہی مسلم مخالف سوشل میڈیا پوسٹ پر اعتراض ظاہر کیا ہے جس میں مسلمانوں کو گیس چیمبر میں ڈالنے کی بات کہی گئی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ایسی نفرت انگیز بات دہلی یونیورسٹی کے ایک استاذ نے کہی ہے۔ کمیشن کے چیرمین ڈاکٹر ظفر الاسلام خان نے دہلی وائس چانسلر کو ایک نوٹس بھیج کر کہا ہے کہ اس معاملے کی جانچ کی جائے۔ ابھی تک وائس چانسلر نے زہر افشانی کرنے والے ٹیچر کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔ اسی دوران مہاراشٹر نونرمان کے صدر راج ٹھاکرے نے انتہائی مذموم بیان جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ مرکز جیسے پروگرام میں شامل ہونے والوں کو گولی مارنی چاہیے" اور یہ بھی سوال کیا ہے کہ جو اس میں شامل ہوئے ہیں ان کا علاج کیوں ہو رہا ہے!"۔

یہ رجحانات کسی بھی وقت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں آفت کے لمحات میں کسی شخص کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے اندر رمق برابر بھی انسانیت باقی نہیں ہے حکمرانوں، صحافیوں، سیاست دانوں اور اثر ورسوخ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ آج پوری انسانیت پر بحران کے بادل چھائے ہوئے ہیں کوئی نہیں جانتا کہ کورونا کی وبا کو قابو کرنے میں کتنا وقت لگے گا اور اس کے لیے کتنی قربانی دینی ہوں گی، ایسے وقت میں بھی اگر انسانیت نہیں جاگی تو آخر کب جاگے گی؟ اگر بالفرض محال یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ تبلیغی جماعت سے لاپروائی ہوئی تب بھی اس کو فرقہ وارانہ رنگ دینا کہاں تک صحیح ہے؟ خبریں تو یہ بھی آئی ہیں کہ غیر مسلم بھی اپنے مذہبی مقامات پر جمع تھے تو کیا ہم کسی بھی فرقے کو اس کے لیے قصوروار قرار دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر تبلیغی جماعت قصوروار تھی تو حکومت اور پولیس اتنے دنوں سے کیا کر رہی تھی؟ کس کی اجازت سے یہ لوگ مرکز کے دفتر میں قیام پزیر تھے؟ کیا حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی بھی بیرون ملک کا شہری بھارت آسکتا ہے؟ کیا پولیس باہر سے آئے ہوئے لوگوں کی سرگرمیوں سے ناواقف رہ سکتی ہے؟ اگر تبلیغی جماعت کی وجہ سے وبا پھیل رہی ہے تو پھر ان سیاسی جلسوں کو کیا کہا جائے جو خود بی جے پی کے کارکنان نے منعقد کیے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب پوری دنیا وبا سے لڑ رہی تھی تو مرکزی حکومت اس کے خطرات کو ٹالتی رہی اور آخری وقت پر متحرک ہوئی؟ کیا یہ بھی حقیقت نہیں ہے کہ جس وقت کورونا کے خلاف جنگ شروع کر دینی چاہیے تھی اس وقت بی جے پی، مدھیہ پردیش میں کانگریس کی حکومت کو گرانے میں لگی ہوئی تھی؟ سوال یہ بھی تو اٹھتا ہے کہ جو لوگ غریب اور بھوکے ہیں ان کو قرونطینہ میں بھیجنے کی بات کرنا بے ایمانی نہیں ہے؟ جن کو گھر بھی میسر نہیں ہیں وہ گھر کے اندر کیسے رہ سکتے ہیں؟ آج ہر روز ہزاروں کی تعداد میں تارکین وطن مزدور پیدل یا پھر سائیکل پر سوار ہو کر دہلی سے دور اپنے گھر کو لوٹ رہے ہیں۔ کچھ تو پہنچ گئے ہیں، کچھ راستے میں ہیں اور بعض دم توڑ چکے ہیں۔ کیا ان کو بے سہارا چھوڑ کر کورونا سے جنگ جیتی جا سکتی ہے؟ حکومت نے اگر ان کو بے سہارا چھوڑ دیا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا لاپروائی ہو سکتی ہے؟ افسوس کہ حکومت ان سارے سوالات سے بھاگ رہی ہے کیونکہ وہ رفاہی کاموں کو انجام نہیں دینا چاہتی تبھی تو وہ کورونا کو بھی فرقہ وارانہ رنگ دے کر بچنا چاہتی ہے۔ اب غور کرنے والی بات یہ ہے کہ حکومت کو پھر سے صحت عامہ، روزگار اور تعلیم کے بنیادی سوال پر کیسے واپس لایا جائے؟

(ابھے کمار جے این یو سے پی ایچ ڈی ہیں۔)
debatingissues@gmail.com